مدارسِ عربیہ کے لیے لائحہ عمل ![1]

محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۲۲/رجب ۱۳۸۹ھ

گرامی مآثر مخدوم ومحترم زیدت مفاخرکم العالیۃ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

عرصہ گزرا کہ والا نامہ باعث شرف ہوا تھا، مجھے بے حد ندامت اور افسوس اور اپنی تقصیر کا اعتراف ہے کہ جواب میں اتنی شدید تاخیر ہوئی۔ عمر میں آپ کا یہ پہلا والا نامہ آیا تھا، مجھے فوراً جواب دینے کی کوشش کرنی چاہیے تھی اور شاید میری عمر میں ہی کسی خط کے جواب میں اتنی شدید تاخیر کا یہ پہلا موقع ہوگا، بہرحال نادم ومقصّر ہوں، لیکن تاخیر دراصل صرف اس لیے ہوئی کہ میں چاہتا تھا کہ تعمیل حکم کے لیے مفصل عریضہ لکھوں اور اس کے لیے فرصت ونشاط کا متلاشی رہا، ایک طرف جامعہ کے سالانہ امتحان کا قرب، کتابوں کے ختم کرانے کی فکر اور دوسری طرف دوسرے مشاغل، کچھ مفید کچھ غیر مفید کاموں کا ہجوم، طبیعت میں نشاط کا فقدان، علمی کسل وغیرہ موانع پیش آتے رہے، ورنہ آپ کا نامۂ کرم جواب طلب خطوط میں سب سے پہلے رکھا تھا، امید ہے کہ میرے ان اعذار کی وجہ سے آپ معاف فرما کر ممنون کرم فرمائیں گے۔ جس وقت آپ کا یہ نصاب مرتب ہو چکا تھا، برادرم مولانا صاحب نے ایک کاپی ارسال کی تھی، اس وقت سرسری سی کچھ ترمیم پیش کی تھی اور ایک مختصر خط میں چند اصولی باتیں پیش کی تھیں۔ تجویز نصاب کا مسئلہ بے حد اہم اور وقت کا شدید تقاضا اور اہم ضرورت ہے، اور جیسا کچھ ہو سکے کوشش کر کے طے کرنے کی ضرورت ہے۔ اتفاق سے مجھے عرصہ سے اس کا احساس اور شغف رہا ہے، لیکن اس ضرورت کے لیے سنجیدہ دماغ، مخلص حضرات اور تجربہ کار اصحاب جمع ہو کر کوئی خاکہ تیار کریں تو بہتر ہوگا۔ انفرادی کوشش نہ تو مفید ہو سکتی ہے نہ مؤثر، نہ امت کے لیے قابل قبول۔ نصاب کے بارے میں تو میں بعد میں عرض کروں گا اور شاید اس مراسلہ میں اس کی نوبت نہ آئے، لیکن میرے خیال میں نصاب سے زیادہ اہم چند باتیں ہیں جو تعین نصاب کے لیے اصول موضوعہ کا کام دیتی ہیں، اس لیے عرض کرتا ہوں اور یہ مقصد نہیں کہ وہ چیزیں

حاشیہ (۱) حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نہایت قابل احترام بزرگ کے نام مدارس عربیہ کی افادیت کو مزید بڑھانے کے سلسلے میں مندرجہ بالا گرامی نامہ تحریر فرمایا۔

آنجناب کے پیش نظر نہیں ہیں، لیکن شاید زیادہ توجہ نہ ہو یا کم از کم لازم فائدۃ الخبر کے درجہ میں خیال فرمائیں:

۱:- نصاب کوئی بھی ہو، لیکن اساتذہ کے انتخاب میں زیادہ غور کی ضرورت ہے، اس کے لیے مندرجہ ذیل امور کا لحاظ ضروری ہے:

الف:...... مفوضہ کتابوں کی تدریس میں اعلیٰ درجہ کی مہارت رکھتے ہوں، جس کا حاصل یہ ہے کہ استعداد بہت اعلیٰ ہو۔

ب:...... مخلص ہوں اور دل سے چاہیں کہ طلبہ کو علم آجائے۔

ج:...... جن علوم کو پڑھاتے ہوں ان سے شغف وطبعی مناسبت ہو، غرض یہ کہ محض وقت گزارنا یا معاش کی ضرورت کو پورا کرنا مقصد نہ ہو۔ استعداد، اخلاص، شوق ومناسبت‘ یہ تین باتیں مدرسین کے لیے معیارِ انتخاب ہوں۔

۲:- طلبہ کی آسائش وراحت کا پورا خیال رکھا جائے، اگر مدرسہ میں سو طلبہ کے لیے وسعت اور راحت کا انتظام نہ ہو تو بیس رکھے جائیں، لیکن ان کی عملی نگرانی بہت سخت کی جائے۔ درسوں میں حاضری، رات کا مطالعہ، امتحانات میں نہایت سختی کی جائے، اور تسامح نہ کیا جائے، مثلاً اگر سہ ماہی میں فیل ہو گیا تو ششماہی کے لیے تنبیہ کی جائے کہ اگر ششماہی میں فیل ہو گیا تو سالانہ امتحان میں نہ لیا جائے گا، اس میں کوئی مراعات ہرگز نہ کی جائے کہ یہی مراعات سمِ قاتل ہے۔

۳:- اساتذہ کو کتابیں پڑھانے کے لیے اتنی دی جائیں کہ آسانی سے ان کا مطالعہ کرسکیں اور ان کے متعلقات کو دیکھ سکیں اور ان کو صرف اس کتاب کے حواشی وشرح پر کفایت نہ کرنی چاہیے، بلکہ فن کی اعلیٰ کتابیں پیش نظر رکھنی چاہئیں۔

۴:- ہر درجہ کے مناسب طلبہ کو بھی مطالعہ کے لیے کتابیں دینی چاہئیں اور ان میں امتحان ضروری ہو، یعنی بغیر تدریس کے صرف مطالعہ سے وہ ان کتابوں پر عبور حاصل کرلیں اور امتحان دیں۔

۵:- طلبہ کی اخلاقی نگرانی بہت شدید ہونی چاہیے۔ اسلامی حلیہ اور دینی وضع میں کوئی مسامحت برداشت نہیں کی جاسکتی، بلکہ غبی محنتی کو برداشت کیا جائے اور ذکی مستعد آزاد کو نہ رکھا جائے۔ مدرسہ میں قواعد وضوابط ایسے ہوں کہ نماز کی پابندی اور لباس وپوشاک میں علمی وضع کی حفاظت ملحوظ ہو۔

۶:- مسابقت کے امتحانات مقرر ہوں، نیز ہر سہ ماہی، ششماہی امتحانات میں طلبہ کی اعلیٰ کامیابی پر وظیفہ دینا چاہیے۔

۷:- ہر سال امتحانات میں ایک پرچہ امتحان کا محض عام استعداد وقابلیت کا رکھنا چاہیے، جس کا کسی خاص کتاب سے تعلق نہ ہو، ہاں! اس درجہ کی اہلیت ضروری ہے۔

۸:-عربی بولنے کی قابلیت مقاصد میں شامل کرنی چاہیے، تین سال کے بعد تدریس کی زبان عربی ہونا چاہیے۔

۹:-عربی ادب پر خاص معیار سے توجہ دینی ہوگی، تقریر وتحریر کی تربیت دی جائے اور اس کے لیے بہت تفصیل طلب اور مہم تنبیہات کی حاجت ہے جو بعد میں عرض کروں گا۔

۱۰:-ہر زمانہ کا ایک فن ہوتا ہے، اس زمانہ کا مخصوص فن تاریخ وادب ہے، اس پر توجہ زیادہ کرنی ہوگی۔

۱۱:-قرآن کریم کا ترجمہ ابتدا سے شروع کرنا چاہیے اور تین چار سال میں ختم کرنا چاہیے۔ بغیر کسی تفسیر کے محض ترجمہ ابتداءً زیرِ درس ہونا چاہیے اور قابلیت بڑھانے کے لیے مخصوص اجزا اور سورتوں کا انتخاب کرنا چاہیے اور لغوی وادبی تحقیق کے ساتھ پڑھانا چاہیے۔

۱۲:- طلبہ کے مطالعہ کے لیے ایک دارالمطالعہ مخصوص ہو، ان کے لیے مفید کتابیں اور عربی مجلّات وجرائد رکھنے چاہئیں۔

۱۳:- مدرسہ کے سالانہ بجٹ میں ایک رقم مستقل بسلسلہ اصلاحِ نصاب اور تبدیل کتب علیحدہ کرنا ضروری ہو، یہ اس لیے کہ نصاب کی مشکلات میں سب سے زیادہ مشکل مرحلہ ہمارے غریب مدارس کے لیے قلتِ سرمایہ کا ہے۔

۱۴:- تین نصابوں کی ضرورت ہے:

الف:......ایک سہ سالہ نصاب: جس میں فقہ، قرآن وحدیث، تاریخ، صرف ونحو، معانی، ادب، عقائد اور فرائض شامل ہوں، تاکہ جو شخص صرف اپنی ضرورت کے لیے عالم بننا چاہتا ہو، وہ علم حاصل کرسکے، تعلیم وتدریس کو پیشہ نہیں بنانا چاہتا ہو، بلکہ تجارت وغیرہ میں زندگی بسر کرنا چاہتا ہو۔

ب:...... مدرس وعالم بننے کی لیے نصاب زیادہ سے زیادہ ہشت سالہ ہو۔

ج:......تیسرا نصاب درجہ تکمیل کا ہے، ایک سال کا اور دو سال کا، اس میں مفتی، محدث، ادیب، مؤرخ، وغیرہ اسی قسم کے چند شعبے ہوں۔ حاصل یہ ہے کہ نصاب خواہ کوئی بھی ہو، لیکن اگر ان امور کی رعایت کی جائے تو ان شاء اللہ! اچھے عالم نکل سکیں گے۔

طلبہ میں تکثیر سواد کی کوشش نہیں کرنی چاہیے، بلکہ معیارِ انتخاب کے مطابق کوشش کرنی چاہیے، چاہے جتنے بھی کم ہوں۔ جو طلبہ ذہین وذکی اور مستعد ہوں، ان کی ترغیب اور حوصلہ افزائی کے لیے مختلف وجوہ کو پیش نظر رکھنا ضروری ہوگا، مثلاً: مخصوص وظیفہ جاری کرنا، درجہ تکمیل میں جانے کی ترغیب دینا، بلکہ درجہ تکمیل میں باقاعدہ ایسا وظیفہ دیا جائے جو ضروریاتِ زندگی کے لیے کفایت کرے۔ ایک اہم بات جو سلسلۂ تعلیم میں ضروری ہے اُسے لکھنا بھول گیا، وہ یہ کہ ابتدائی کتابیں قابل اساتذہ کے پاس ہوں، مثلاً: ہر بڑے استاد کو ایک چھوٹی کتاب دی جائے، اس میں طرفین کا فائدہ ہوگا، طلبہ کو تجربہ کار استاذ سے استفادہ کا موقع ملے گا اور مدرس کا کام ہلکا ہوجائے گا، بجائے ایک بڑی کتاب کے چھوٹی کتاب ہوگی، جس میں اُسے زیادہ دماغ سوزی نہیں کرنی پڑے گی، اور جب مدرس مخلص ہوگا تو یہ سوال پیدا نہیں ہوسکتا کہ بڑی کتابیں پڑھانے والا چھوٹی کتابیں پڑھانا اپنی توہین سمجھے۔

نصاب کے بارے میں ایک چیز قابل گزارش ہے کہ موجودہ نصاب میں سوائے چند کتابوں کے کوئی ایسی کتاب نہیں جس سے بہتر قدماء کی عمدہ تالیفات نہ مل سکتی ہوں۔ نصاب کی ترمیم میں یہ بات پیش نظر رکھنا

بے حد ضروری ہے کہ کتابیں ایسی داخل درس ہوں جن میں کتاب کی لفظی بحثیں کم ہوں اور مصنف کے الفاظ کے مطالب بیان کرنے میں وقت زیادہ صرف نہ ہو، مثلاً: اگر اختصار شدید سے کاغذ کم خرچ کیا گیا، لیکن تفہیم میں دماغ اور وقت کتنا زیادہ لگا، اتنا وقت اگر حفظ مسائل پر خرچ ہوگا تو زیادہ بہتر ہوگا۔ ملکہ وبصیرت مختصراتِ مخلّہ سے کبھی حاصل نہیں ہوسکتی۔ زیادہ تر کوشش اس کی ہونی چاہیے کہ تفہیم مقاصد ومسائل میں پورا انشراح حاصل ہو، اگر چہ جزئیات کا استیعاب نہ ہوسکے۔ بعض متونِ درسیہ میں اگر چہ استقصاء مسائل زیادہ ہے، لیکن پہلا مقصد حاصل نہیں ہوتا اور وہ زیادہ ضروری ہے۔ رہا معاشیات واقتصادیات وسیاسیات کا داخل نصاب ہونا تو یہ مرحلہ اتنا مشکل نہیں، امت کو اس کی اتنی ضرورت بھی نہیں، کیونکہ اس کے لیے بہت مل جاتے ہیں، مشکل تو ''رسوخ فی العلم'' ہے۔ ہمیں صحیح العلم، راسخ العلم، ذکی اور مخلص علما تیار کرنے ہیں۔ یہ چیزیں مطالعہ کی ہیں، بآسانی بعد الفراغ حاصل کی جاسکتی ہیں۔ یہ چند باتیں اس وقت مختصر فرصت میں نہایت استعجال وارتجال کے ساتھ پیش کررہا ہوں، امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوں گے۔ والسلام خیر ختام۔ ۱۳۸۹ھ

دینی مدارس کے علما وطلبا کے لیے لمحہ فکریہ

بلاشبہ دینی مدارس کا وجود سراپا خیر وبرکت اور ان کا منصب تعلیم وتعلم نہایت ہی اونچا اور لائق فخر ہے۔ یہ دینی مدارس انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کی وراثت کے امین، شریعت الٰہی کے محافظ اور امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے معلم ہیں۔ قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں دین کی تعلیم وتعلم کے جو فضائل آئے ہیں، ان سے کسی کو انکار کی مجال نہیں، لیکن یہ منصب جتنا عالی ہے، اس کی قیمت بھی اتنی ہی اونچی ہے، اور وہ صرف رضاء الٰہی اور نعیم جنت ہی ہوسکتی ہے۔ اگر اس گوہر بے بہا کی قیمت متاع دنیا کو ٹھہرالیا جائے تو اس سے بڑھ کر کوتاہ نظری اور کیا ہوسکتی ہے؟ حدیث میں صاف وصریح وعید وارد ہے کہ: ''**من تعلم علما مما يُبتغى به وجه الله لايتعلمه إلا ليصيب به عرضًا من الدنيا لم يجد عرف الجنة**'' (مسند احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ عن ابی ہریرہؓ) یعنی ''جس نے وہ علم حاصل کیا جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوسکتی ہے، مگر وہ اس کو صرف متاعِ دنیا کے لیے حاصل کرتا ہے تو اس کو جنت کی خوشبو بھی نصیب نہ ہوگی''۔ سنا ہے کہ حضرت فقیہ عصر محدث وقت عارف باللہ مولانا خلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے خواب بیان کیا کہ درس گاہ کی تپائیوں کے سامنے طلبہ کی بجائے بیل بیٹھے ہیں، فرمایا: إنا للہ، اب لوگ علم دین کو پیٹ کے لیے پڑھنے لگے۔

ہمارے اکابر کے لیے علم وتدریس، تصنیف وتالیف، دعوت وارشاد اور امامت وخطابت کے مشاغل کبھی شکم پروری اور جاہ طلبی کا ذریعہ نہیں رہے، بلکہ یہ خالص دینی مناصب تھے اور بزرگوں کے اخلاص وتقویٰ، خلوص وللّٰہیت، ذکر وشغل اور اتباع سنت نے ان مناصب کے وقار کو اور بھی چار چاند لگا رکھے تھے، لیکن افسوس ہے کہ کچھ عرصہ سے دینی مدارس کی روح دن بدن مضمحل ہوتی جارہی ہے، اساتذہ وطلبہ میں شب خیزی، ذکر وتلاوت، زہد وقناعت، اخلاص وللّٰہیت اور محنت وجانفشانی کی فضا ختم ہورہی ہے۔ نماز فجر کے بعد تلاوتِ قرآن کریم کی جگہ عام طور پر اخبار بینی لے رہی ہے، ریڈیو اور ٹی وی جیسی منحوس چیزیں جدید تمدن نے گھر گھر

پہنچادی ہیں اور ہمارے دینی قلعے، دینی مدارس بھی ان وباؤں سے متاثر ہورہے ہیں۔ یہ وہ دردناک صورت حال ہے جس نے اربابِ بصیرت، اہل دل کو بے چین کررکھا ہے۔ ہمارے مخدوم گرامی منزلت حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی (متع اللّٰہ الأمة بحیاتھم الطیبة المبارکة) نے اسی تأثر کی وجہ سے راقم الحروف کے نام ایک مفصل والا نامہ تحریر فرمایا ہے، اربابِ مدارس کی توجہ اور اصلاح کے لیے اسے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو اربابِ مدارس کے لیے وسیلۂ عبرت ونصیحت اور توجہ بنائے، آمین۔

مکتوب مبارک

’’مدارس کے روز افزوں فتن، طلبہ کی دین سے بے رغبتی وبے توجہی اور لغویات میں اشتغال کے متعلق کئی سال سے میرے ذہن میں یہ ہے کہ مدارس میں ذکر اللہ کی بہت کمی ہوتی جارہی ہے، بلکہ قریباً یہ سلسلہ معدوم ہوچکا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ بعض میں تو اس لائن سے تنفر کی صورت دیکھتا ہوں جو میرے نزدیک بہت خطرناک ہے۔ ہندوستان کے مشہور مدارس دارالعلوم، مظاہرالعلوم، شاہی مسجد، مراد آباد وغیرہ کی ابتدا جن اکابر نے کی تھی، وہ سلوک کے بھی امام الائمہ تھے، انہی کی برکات سے یہ مدارس ساری مخالف ہواؤں کے باوجود اب تک چل رہے ہیں۔

اس مضمون کو کئی سال سے اہل مدارس، منتظمین اور اکابرین کی خدمت میں تقریراً وتحریراً کہتا اور لکھتا رہا ہوں۔ میرا خیال یہ ہے کہ آپ جیسے حضرات اس کی طرف توجہ فرمادیں تو زیادہ مؤثر اور مفید ہوگا۔ مظاہر العلوم میں تو میں کسی درجہ میں اپنے ارادہ میں کامیاب ہوں اور دارالعلوم کے متعلق جناب الحاج مولانا قاری محمد طیب صاحب سے عرض کرچکا ہوں اور بھی اپنے سے تعلق رکھنے والے اہل مدارس سے عرض کرتا رہتا ہوں۔ روز افزوں فتنوں سے مدارس کے بچاؤ کے لیے ضروری ہے کہ مدارس میں ذکر اللہ کی فضا قائم کی جائے۔ شرور وفتن اور تباہی وبربادی سے حفاظت کی تدبیر ذکر اللہ کی کثرت ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کا نام لینے والا کوئی نہ رہے گا تو دنیا ختم ہوجائے گی۔ جب اللہ تعالیٰ کے پاک نام میں اتنی قوت ہے کہ ساری دنیا کا وجود اس سے قائم ہے تو مدارس کا وجود تو ساری دنیا کے مقابلہ میں دریا کے مقابلہ میں ایک قطرہ بھی نہیں، اللہ تعالیٰ کے پاک نام کو ان کی بقاء وتحفظ میں جتنا دخل ہوگا ظاہر ہے۔

اکابر کے زمانہ میں ہمارے ان جملہ مدارس میں اصحابِ نسبت اور ذاکرین کی جتنی کثرت رہی ہے، وہ آپ سے بھی مخفی نہیں اور اب اس میں جتنی کمی ہوگئی وہ بھی ظاہر ہے، بلکہ اگر یوں کہوں کہ اس پاک نام کے مخالف حیلوں اور بہانوں سے مدارس میں داخل ہوتے جارہے ہیں تو میرے تجربہ میں تو غلط نہیں، اس لیے میری تمنا ہے کہ ہر مدرسہ میں کچھ ذاکرین کی تعداد ضرور ہوا کرے۔

طلبہ کے ذکر کرنے کے تو ہمارے اکابر بھی خلاف رہے ہیں اور میں بھی موافق نہیں، لیکن منتہی طلبہ یا فارغ التحصیل یا اپنے سے یا اپنے اکابرین سے تعلق رکھنے والے ذاکرین کی کچھ مقدار مدارس میں رہا کرے اور مدرسہ ان کے قیام کا کوئی انتظام کردیا کرے۔ مدرسہ پر طعام کا بار ڈالنا تو مجھے بھی گوارا

نہیں، طعام کا انتظام تو مدرسہ کے اکابر میں سے کوئی شخص ایک یا دو اپنے ذمہ لے لے یا باہر سے مخلص دوستوں میں سے کسی کو متوجہ کر کے ایک ایک ذکر کرنے والے کا کھانا کسی کے حوالہ کر دیا جائے، جیسا کہ ابتدا میں مدارس کے طلبہ کا انتظام اسی طرح ہوتا تھا، البتہ اہل مدارس ان کے قیام کی کوئی صورت اپنے ذمہ لے لیں جو مدرسہ ہی میں ہو، اور ذکر کے لیے کوئی ایسی مناسب جگہ تشکیل کریں کہ دوسرے طلبہ کا کوئی حرج نہ ہو، نہ سونے والوں کا، نہ مطالعہ کرنے والوں کا۔

جب تک اس ناکارہ کا قیام سہارن پور میں رہا تو ایسے لوگ بکثرت رہتے تھے جو میرے مہمان ہو کر ان کے کھانے پینے کا انتظام تو میرے ذمہ تھا، لیکن قیام اہل مدرسہ کی جانب سے مدرسہ کے مہمان خانہ میں ہوتا تھا، اور وہ بدلتے سدلتے رہتے تھے، صبح کی نماز کے بعد میرے مکان پر ان کے ذکر کا سلسلہ ایک گھنٹہ تک ضرور رہتا تھا، اور میری غیبت کے زمانہ میں بھی سنتا ہوں کہ عزیز طلحہ کی کوشش سے ذاکرین کی وہ مقدار اگرچہ نہ ہو، مگر ۲۰، ۲۵ کی مقدار روزانہ ہو جاتی ہے، میرے زمانہ میں تو سو، سوا سو تک پہنچ جاتی تھی اور جمعہ کے دن عصر کے بعد مدرسہ کی مسجد میں تو دو سو سے زیادہ کی مقدار ہو جاتی تھی اور غیبت کے زمانہ میں بھی سنتا ہوں کہ ۴۰، ۵۰ کی تعداد عصر کے بعد ہو جاتی ہے، ان میں باہر کے مہمان جو ہوتے ہیں وہ دس بارہ تک تو اکثر ہو ہی جاتے ہیں۔ عزیز مولوی نصیر الدین سلمہٗ، اللہ تعالیٰ اس کو بہت جزائے خیر دے، ان لوگوں کے کھانے کا انتظام میرے کتب خانہ سے کرتے رہتے ہیں، اسی طرح میری تمنا ہے کہ ہر مدرسہ میں دو چار ذاکرین ضرور مسلسل رہیں، داخلی اور خارجی فتنوں سے بہت امن کی امید ہے، ورنہ مدارس میں جو داخلی اور خارجی فتنے بڑھتے جا رہے ہیں، اکابر سے زمانہ میں جتنا بعد ہوتا جائے گا اس میں اضافہ ہی ہوگا۔

اس ناکارہ کو نہ تحریر کی عادت، نہ تقریر کی، آپ جیسا یا مفتی محمد شفیع صاحب جیسا کوئی شخص میرے اس مافی الضمیر کو زیادہ وضاحت سے لکھتا تو شاید اہل مدارس پر اس مضمون کی اہمیت زیادہ واضح ہو جاتی۔ اس ناکارہ کے رسالہ ''فضائل ذکر'' میں حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''الوابل الصیّب'' سے ذکر کے سو کے قریب فوائد نقل کیے ہیں، جن میں شیطان سے حفاظت کی بہت سی وجوہ ذکر کی گئی ہیں، شیاطینی اثر ہی سارے فتنوں اور فساد کی جڑ ہیں۔ فضائل ذکر سے یہ مضمون اگر جناب سن لیں تو میرے مضمون بالا کی تقویت ہوگی، اس کے بعد میرا مضمون تو اس قابل نہیں جو اہل مدارس پر کچھ اثر انداز ہو سکے۔ آپ میری درخواست کو زوردار الفاظ میں نقل کرا کر اپنی یا میری طرف سے بھیج دیں تو شاید کسی پر اثر ہو جائے۔

دار العلوم، مظاہر علوم اور شاہی مسجد کے ابتدائی حالات آپ کو مجھ سے زیادہ معلوم ہیں کہ کن صاحب نسبت اصحاب ذکر کے ہاتھوں ہوئی ہے۔ انہی کی برکات سے یہ مدارس اب تک چل رہے ہیں۔ یہ ناکارہ دعاؤں کا بہت محتاج ہے، بالخصوص حسن خاتمہ کا کہ گور میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ، بقلم حبیب اللہ۔ ۳۰ نومبر ۱۹۷۵ء، والسلام، مکۃ المکرّمۃ

☆☆☆